چیلنج قبول کیجیے اور فاتح بنیے!

مرزا یاور بیگ ○

زندگی میں صرف غالب آنے والوں کو ہی انعام دیا جاتا ہے، محنت کا بدلہ دینے والا صرف اللہ ہے، لیکن اس دنیا میں نہیں، اس دنیا میں آپ کو صرف نتائج کی شکل میں بدلہ ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں کوشش کے بارے میں فرمایا:

وَاَنۡ لَّيۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰىۙ ﴿۳۹﴾ (النجم ۵۳:۳۹) اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے (اچھا یا بُرا)۔

غالب آنے والوں کی درجہ بندی اس چیلنج کی شدت سے کی جاتی ہے، جس پر انھوں نے قابو پایا، جتنا بڑا چیلنج اتنا ہی بڑا اعزاز۔ ماؤنٹ ایورسٹ ۸ کلومیٹر بلند ہے، اگر میں ۱۰ کلومیٹر پیدل چلوں اور یہ دعویٰ کروں کہ مجھے ایوارڈ دیا جائے کیونکہ میں سر ایڈمنڈ ہلیری اور ٹینزنگ نورگے سے زیادہ پیدل چلا تو لوگ مجھ پر ہنسیں گے۔ اگر میں بحث کرنے کی کوشش کروں اور کہوں کہ وہ اور میں، دونوں زمین ہی پر تو چلے، تو لوگ اور بھی زور سے ہنسیں گے، کیونکہ یہ زمین پر فاصلہ طے کرنا نہیں بلکہ زمین کا زاویہ ہے جو ان کے کارنامے کو یادگار اور متاثرکن بناتا ہے۔ اگر وہ چڑھنے کی کوشش کرتے لیکن چوٹی تک پہنچنے میں ناکام رہتے تو کسی کو یاد نہ ہوتا۔ اگر وہ ہیلی کاپٹر سے چوٹی پر اُتارے جاتے، تو یہ پہاڑ کی پیمایش کے طور پر شمار نہیں ہوتا۔ کام کی مشکل ہی اسے باعزّت اور قابلِ قدر بناتی ہے۔

لہٰذا اپنے آپ سے پوچھنے اور جواب سننے کے لیے، آپ کو اس بیرونی شور کو بند کرنا ہوگا، جو ہم نے اپنی مرضی سے اپنے آپ پر مسلّط کیا ہے۔ آپ اپنے دل کی بات سن سکتے ہیں، یا فون کو

○ کنسلٹنٹ اور خطیب، میساچیوسٹس، امریکا

سن سکتے ہیں، آپ دونوں ایک ساتھ نہیں سن سکتے۔ براہِ مہربانی غور کریں آپ اپنے آپ سے کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا آپ کہہ رہے ہیں، میں کامیاب ہوسکتا ہوں؟ یا کوشش کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ میں ضرور ناکام ہو جاؤں گا۔ دونوں جملے حقیقت نہیں ہیں، لیکن آپ کے لیے، دونوں درست ہو سکتے ہیں۔ یہ اس پر منحصر ہے کہ آپ کس کو اکثر استعمال کرتے ہیں۔ میرے دوست ڈاکٹر فریڈ ولن سٹاری مجھے بتاتے ہیں کہ جرمن زبان میں ایک کہاوت ہے: ''اُمید آخر میں مرتی ہے''۔ ہمیں امید کو کبھی مرنے نہیں دینا چاہیے، اور اُمید کو حقیقت بنانے کے لیے کام کرنا چاہیے۔ لہٰذا، پوچھیں کہ آپ اپنے آپ سے کیا کہہ رہے ہیں؟ یہ وہیں سے شروع ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اور توکّل کے تعلق کے بارے میں فرمایا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۲ (الانفال ۸:۲) مومن تو وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل لرز جاتے ہیں اور جب انھیں اللہ کی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے، اور وہ اپنے رب پر مکمل بھروسا کرتے ہیں۔

آپ براہِ مہربانی اپنے آپ سے پوچھیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا پر کھڑے ہوکر اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی تو آپؐ کے دل پر کیا گزری ہوگی؟ جس چیز نے ان کو برقرار رکھا اور سہارا دیا وہ اللہ سے آپؐ کا تعلق تھا اور اللہ آپ کے لیے حقیقت تھا۔ ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تہجد کے لیے بیدار ہوتے تو فرماتے:

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ، لَكَ مُلْكُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ، وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُورُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ الْحَقُّ، وَوَعْدُكَ الْحَقُّ، وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ، وَقَوْلُكَ حَقٌّ، وَالْجَنَّةُ حَقٌّ، وَالنَّارُ حَقٌّ، وَالنَّبِيُّونَ حَقٌّ، وَمُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم حَقٌّ، وَالسَّاعَةُ حَقٌّ، اللّٰهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ، وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ، وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ، وَبِكَ خَاصَمْتُ، وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ، فَاغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ، وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا أَنْتَ. أَوْ لَا اِلٰهَ غَيْرُكَ ،

اے میرے اللہ! ہر طرح کی تعریف تیرے ہی لیے زیبا ہے، تو آسمان اور زمین اور ان میں رہنے والی تمام مخلوق کا سنبھالنے والا ہے اور حمد تمام کی تمام بس تیرے ہی لیے مناسب ہے۔ آسمان اور زمین اور ان کی تمام مخلوقات پر حکومت صرف تیرے ہی لیے ہے اور تعریف تیرے ہی لیے ہے، تو آسمان اور زمین کا نور ہے اور تعریف تیرے ہی لیے زیبا ہے، تو سچا ہے، تیرا وعدہ سچا، تیری ملاقات سچی، تیرا فرمان سچا ہے، جنت سچ ہے، دوزخ سچ ہے، انبیاؑ سچے ہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں اور قیامت کا ہونا سچ ہے۔ اے میرے اللہ! میں تیرا ہی فرماں بردار ہوں اور تجھی پر ایمان رکھتا ہوں، تجھی پر بھروسا ہے، تیری ہی طرف رجوع کرتا ہوں، تیرے ہی عطا کیے ہوئے دلائل کے ذریعے بحث کرتا ہوں اور تجھی کو حکم بناتا ہوں، پس جو خطائیں مجھ سے پہلے ہوئیں اور جو بعد میں ہوں گی ان سب کی مغفرت فرما، خواہ وہ ظاہر میں ہوئی ہوں یا پوشیدہ، آگے کرنے والا اور پیچھے رکھنے والا تو ہی ہے، معبود صرف تو ہی ہے۔

ہمارا سب سے بڑا پریشان کن مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ ایک تصور اور ایک خیال ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ ہمارے لیے حقیقت ہیں؟ اس بات کی نشانی کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے حقیقت ہیں، ہمارے اعمال میں مضمر ہے۔ جن کے لیے اللہ تعالیٰ حقیقت ہیں وہ کبھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے، وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں اور وہ کبھی اللہ تعالیٰ کی ناراضی کے لیے کچھ نہیں کرتے۔ یہی تقویٰ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ناراض ہونے کا خوف ہے، چونکہ ہم اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ چاہتے ہیں۔

سب سے مشکل کام لوگوں کے ذہنوں، عقائد اور رویوں کو بدلنا ہے، لیکن یہ وہ کام تھا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کام سونپتے وقت، مقصد کو پورا کرنے کے لیے کوئی مادی مدد نہیں دی گئی۔

یہی وجہ ہے کہ فرانسیسی مؤرخ الفونس ڈی لامارٹین جیسے شخص نے بھی جو اسلام پر بہت تنقید کرتا تھا، اپنی کتاب تاریخ ترکی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہا ہے کہ ''اگر مقصد کی عظمت، اسباب کی کمی اور حیران کن نتائج تین معیار ہیں ایک انسانی ذہانت کا، تو کون

تاریخ کے کسی عظیم انسان کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے موازنہ کرنے کی جرأت کرسکتا ہے؟‘‘

یہیں سے عقیدہ کے یقین کا مسئلہ آتا ہے۔ رسول اکرمؐ کی دعوت میں سب سے پہلی اور سب سے زیادہ امتیازی خوبی، ان کا اپنے پیغام کی سچائی اور اہمیت پر مکمل ایمان، اعتماد اور یقین تھا۔ اس کے بغیر وہ کبھی اپنی کوشش کو جاری نہیں رکھ سکتے تھے اور کامیابی کا بظاہر کوئی نشان نہ ہونے کے باوجود مسلسل اپنی پوری کوشش کرتے رہے۔ یہی مقصد کی طاقت ہے۔ جب آپ اپنے مقصد کو جانتے ہیں، تو یہ آپ کو مضبوط کرتا ہے، یہ آپ کو توجہ مرکوز رکھنے اور اپنے خوف سے لڑنے میں مدد کرتا ہے۔

مشہور مصنف مارک ٹوین نے کہا تھا کہ ’’ہر آدمی کی دو سالگرہ ہوتی ہیں، جس دن وہ پیدا ہوا تھا اور جس دن اسے پتہ چلا کہ کیوں؟‘‘۔ میں جانتا ہوں کہ میں کس دن پیدا ہوا تھا، لیکن کیا یہ بھی جانتا ہوں کہ کیوں پیدا ہوا؟ اللہ تعالیٰ نے مجھے کس لیے پیدا کیا؟ مجھے اپنی زندگی میں کیا کرنا ہے، جس کی بنیاد پر میرا فیصلہ کیا جائے گا؟ اب ذرا خاموشی سے بیٹھیں اور اپنے آپ سے تین سوال پوچھیں:

۱- میں کیوں زندہ ہوں؟

۲- کیا کھو جائے گا اور کس کے لیے، جب میں اس زندگی سے رخصت ہو جاؤں گا؟

۳- میں اپنے وجود کے مقصد کو پورا کرنے کے لیے کیا کر رہا ہوں؟

یاد رکھیں کہ اس میں کافی وقت لگ سکتا ہے، لیکن یہ سب سے اہم چیز ہے جو آپ کرسکتے ہیں اور جو آپ کو سب سے بہترین نتائج دے گی۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آپ کی عمر کتنی ہے؟ فرق پڑتا ہے اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی زندگی قابلِ قدر ہو یا نہیں، یہی آپ کی حقیقی سالگرہ ہوگی۔ وہ دن نہیں جس دن آپ پیدا ہوئے تھے، بلکہ جس دن آپ کو معلوم ہوا کیوں پیدا ہوئے؟ جو زندگی، ایک عظیم مقصد کی تکمیل کے لیے گزاری گئی، انسان کی زندگی ہے، جو زندگی ہر خواہش اور شوق کو پورا کرنے کے لیے گزاری گئی، وہ تو محض ایک جانور کی سی زندگی ہے۔ ہمیں اپنے لیے انتخاب کرنا ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے زندگی کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝۵۶ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ۝۵۷ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ۝۵۸ (الذاریات ۵۱:۵۶-۵۸)

میں نے جنّ اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری

بندگی کریں۔ میں اُن سے کوئی رزق نہیں چاہتا اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔ اللہ تو خود ہی رزّاق ہے، بڑی قوت والا اور زبردست۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی رضا کے لیے پیدا کیا ہے۔ اُس نے باقی مخلوقات کو لوگوں کی خدمت کے لیے بنایا جو اُسے خوش کرتے ہیں۔ جب ہم اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے میں مشغول ہوتے ہیں تو سب کچھ اپنی جگہ پر آجاتا ہے۔ ہم مطمئن اور معزز رہتے ہیں، اثر و رسوخ کے مالک بنائے جاتے ہیں، دوسروں کے ساتھ ہم آہنگی سے رہتے ہیں، اور خوش رہتے ہیں۔ جب ہم ان سب کو اپنے طور پر حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس بات کی پروا کیے بغیر، کہ ہمارے اعمال اللہ تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں یا نہیں، تو ہم تناؤ، پریشانی، خوف، ذلت اور افسردگی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے پہلے ہی لکھ دیا ہے اس کا پیچھا کرنا اور اللہ تعالیٰ نے جس چیز پر ہمیں قابو میں دیا ہے اسے نظر انداز کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ اختیار دیا ہے کہ ہم آخرت میں اپنے لیے جو چاہیں لکھیں۔ اگر ہم اس کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں تو ہم اس زندگی میں مطمئن ہوں گے اور آخرت میں جنت حاصل کریں گے، اگر نہیں، تو اس کے برعکس ہونے کا امکان ہے۔

امام حسن بصریؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے کس طرح قناعت کی زندگی گزاری اور کسی چیز کے بارے میں آپ کو تناؤ سے دوچار نہیں ہونا پڑا؟ انھوں نے کہا کہ ''میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اور عبادت کوئی اور میرے لیے نہیں کرسکتا، اس لیے میں اللہ تعالیٰ کی عبادت پر توجہ دیتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے جو کچھ لکھا ہے وہ کوئی اور نہیں لے سکتا، اس لیے میں اس کی فکر نہیں کرتا۔ میں جانتا ہوں کہ ایک دن میں مرجاؤں گا، اس لیے میں اس دن کی تیاری کرتا ہوں، اور میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے، اس لیے مجھے ہر وہ کام کرتے ہوئے شرم آتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے''۔ میں اپنے آپ کو اور آپ کو اس پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔

اسلام ہمیں دنیا میں کسی کام سے نہیں روکتا بشرطیکہ وہ حلال ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس دنیا میں رہنے اور اس سے لطف اندوز ہونے کے لیے امکانات پیدا کیے ہیں، اور ساتھ ہی اس کے لیے سرحدیں بھی متعین کردی ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ممانعتیں ہیں۔ جب تک ہمارے اعمال ان حدود

میں ہیں اور ہم ان چیزوں سے دور رہیں گے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے، تو اللہ کی اطاعت میں اس صبر کا نتیجہ ہم جنت میں حاصل کریں گے۔ چونکہ انتخاب ہمارا ہے، لہٰذا دانش مندی سے انتخاب کریں۔

تحریری پیڈ اور پنسل ہاتھ میں رکھیں، اپنے مقصد کے بارے میں اپنے خیالات لکھیں۔ میں پنسل کہتا ہوں کیونکہ آپ کچھ چیزوں کو مٹا کر ان پر لکھنا چاہیں گے، وہ ضرور کریں، ہچکچاہٹ نہ کریں، آخر میں ۸ / ۱۰ الفاظ میں اپنے مقصد کو بیان کریں۔ اپنے مشینی یا الیکٹرانک آلات پر ایسا کرنے کی کوشش نہ کریں، کاغذ اور پنسل کا استعمال کریں۔ لکھنا دماغ کی طاقت کو جس طرح دعوت دیتا ہے، وہ فون یا ٹیبلٹ کے ساتھ نہیں ہوتا ہے۔ لکھیں کہ یہ لکھنا ہمیں جانوروں سے ممتاز کرتا ہے۔

پھر اپنے مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے آپ سے پوچھیں: ''آگے بڑھنے کے لیے مجھے کون سی تین چیزیں کرنی ہیں؟'' یاد رکھیں، ہم آخری نتیجہ کی بات نہیں کر رہے ہیں، ہم اس عمل کی بات کر رہے ہیں جو ہمیں آگے لے جائے گا۔ اگر آپ کسی منزل کی طرف گاڑی چلا رہے ہیں، اس بات کا تعین کرنے کے لیے کہ آیا آپ صحیح سمت میں جا رہے ہیں؟ آپ اپنی منزل کے راستے میں پہلے شہر کے نشانات تلاش کرتے ہیں، پھر اگلا یہاں تک کہ آپ کو اپنی منزل کے آثار نظر آنے لگیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں صراط مانگنا سکھایا، الصراط المستقیم، سیدھا راستہ، ثابت قدمی کا راستہ، انبیا علیہم السلام کا اور ان لوگوں کا جن پر اللہ تعالیٰ نے کرم کیا۔ اسلام میں راستہ اور منزل دونوں یکساں اہمیت کے حامل ہیں، طریقے اور ذرائع۔ لہٰذا مقصد کو اپنے سامنے رکھیں اور پوچھیں: ''اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے مجھے سب سے پہلے کیا کرنے کی ضرورت ہے؟'' یہ آپ کے جاگنے کے وقت کو تبدیل کرنا ہوسکتا ہے، یا آپ کا روزانہ کا شیڈول، یا اپنے دوستوں کی فہرست۔ عام طور پر، یہ تینوں تبدیل کرنا پڑتا ہے۔

یہ تبدیلی تکلیف دہ ہوسکتی ہے۔ اس لیے آپ کو مقصد کو سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔ یہ آپ کو یاد دلائے گا کہ کام کی مشکل ہی اسے باعزت اور قابل قدر بناتی ہے۔

اپنے مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے آپ سے پوچھیں: ''آگے بڑھنے کے لیے مجھے تین چیزیں کیا کرنی ہیں؟'' اپنی فہرست میں پہلی چیز پر توجہ دیں، جب آپ اسے ختم کرلیں تو اگلے پر جائیں۔ اگر آپ کو خلل پڑتا ہے، تو واپس جائیں، اور پہلا کام مکمل کریں۔ اپنی ترجیحی فہرست

میں کسی کام کو کبھی نہ چھوڑیں، چاہے وجہ کچھ بھی ہو۔ ان وجوہ کو ختم کر دیں جو آپ کو اپنی ترجیحات سے دُور لے جاتی ہیں۔ ارتکاز یا فوکس غیر ضروری چیزیں نظر انداز کرنے کا فن ہے، جب کہ ملٹی ٹاسکنگ اور بہت سے جھنجٹ پالنا خلفشار کا دوسرا نام ہے۔ جب آپ ایک چیز پر توجہ مرکوز کرتے ہیں، تو آپ کو جان بوجھ کر باقی تمام چیزوں کو نظرانداز کرنا چاہیے۔ زندگی کی ہر چیز میں کامیابی کا راز یہی ہے۔ جیتنے والے ایک کام پر توجہ مرکوز کرتے ہیں جب تک کہ یہ مکمل نہ ہو جائے۔ جیتنے والوں اور ہارنے والوں کے درمیان فرق ارتکاز ہے۔

انٹرنیٹ کی بدولت ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ معلومات تک رسائی کے ذرائع ہی کئی گنا بڑھے ہیں اور بدل گئے ہیں، مگر سیکھنے کا قانون ہرگز تبدیل نہیں ہوا۔ کشش ثقل کے قانون کی طرح، یہ ایک بنیادی قانون ہے، یہ کبھی نہیں بدلتا۔ سیکھنے کا قانون یہ ہے کہ سیکھنا اخلاص، ارتکاز اور استقامت کا عنصر ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آپ معلومات تک رسائی کے لیے کون سے ذرائع استعمال کرتے ہیں۔ یہ گہرے غور وفکر، سوچ سمجھ کر مشق کرنے اور اسباق کو تصور کرنے کے بعد ہی علم میں ڈھلتا ہے۔ ہم معلومات کو علم کے ساتھ الجھاتے ہیں اور حکمت کے بارے میں سوچتے بھی نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم بار بار وہی غلطیاں کرتے ہیں اور بلاوجہ نقصان اٹھاتے ہیں۔ الیکٹرانک گیجٹس کو بھول جائیں اور ارتکاز پیدا کریں۔

اللہ تعالیٰ نے نماز میں ارتکاز کا ذکر فرمایا:

الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝۲ (المؤمنون ۲۳:۲) جو اپنی نمازیں پورے خلوص اور پوری تواضع کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

نماز میں 'خشوع' ارتکاز کا عنصر ہے۔ اندرونی اور بیرونی تمام خلفشار کو نظرانداز کرنے اور صرف اللہ پر توجہ مرکوز کرنے کا نام 'خشوع' ہے۔ آج ہم ایسے دور میں رہتے ہیں، جہاں ارتکاز کی کمی کو ایک خوبی بنا دیا گیا ہے۔ اساتذہ، سرپرستوں، یہاں تک کہ والدین کو بتایا جاتا ہے کہ بچے کسی بھی بات یا کام پر ۳۰ سیکنڈ سے زیادہ توجہ مرکوز نہیں کر سکتے۔ آپ کو پوچھنا چاہیے کہ یہ کس کے بچے ہیں؟ انسانی بچے یا بندر کے بچے؟ حقیقت یہ ہے کہ ارتکاز، پٹھوں کی طرح، محنت سے بنتا ہے۔ اگر آپ نے اپنے بچوں کو ۳۰ سیکنڈ سے زیادہ ارتکاز اور تحمل نہیں سکھایا تو آپ کو یہی نتیجہ ملے گا۔

ایک لمحے کے لیے رُکیں اور پوچھیں کہ وہی بچے جن کے بارے میں آپ دعویٰ کرتے ہیں، کہ ۳۰ سیکنڈ سے زیادہ کوئی فائدہ مند بات نہیں سن سکتے، وہ ٹی وی اسکرین پر فیفا کے میچ یا ون ڈے کرکٹ کو دن یا رات کے کسی بھی وقت گھنٹوں چپکے بیٹھ کر کیسے دیکھتے ہیں؟

گویا کہ یہ توجہ مرکوز کرنے کی صلاحیت کا یا رضامندی کا سوال ہے۔ رضامندی، وجہ پر منحصر ہے۔ اگر ہم اس میں قدر دیکھتے ہیں تو ہم توجہ مرکوز کر سکتے ہیں۔ ہم کس چیز کی قدر دیکھتے ہیں، جس کے لیے ہم اپنے پاس موجود واحد غیر قابل تجدید وسیلہ خرچ کرنے کے لیے ہر وقت تیار ہیں۔ یہ غیر قابل تجدید وسیلہ یعنی ہمارا وقت ہے، جو زندگی کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ کیونکہ وقت کے ختم ہونے کا نام 'موت' ہے۔ اپنے آپ سے پوچھیں کہ آپ واقعی یہاں کیا دیکھ رہے ہیں؟ آپ اُن غلاموں کی مجبور زندگی کو دیکھ رہے ہیں جو بدمعاش قائدین کے ہاتھ کے کھلونے ہوتے ہیں، جیسا چاہا استعمال کرلیا۔ غلامی ایک ذہنیت ہے۔ کیا آپ اپنے اور اپنے بچوں کے لیے یہ چاہتے ہیں؟ اگر نہیں، تو اس کے بارے میں کچھ کیجیے۔ یاد رکھیں کہ غلامی کی زنجیریں ذہن میں ہیں۔ اس کا علاج یہ ہے کہ آپ فیصلہ کریں کہ آپ کے لیے کیا اچھا ہے اور جو اچھا ہے اسے کرنا سیکھیں۔ ہرنئی چیز، بغیر کسی استثناء کے، سب سے پہلے تکلیف دہ ہوتی ہے۔ ہر معاملے کے بعد، ہر وہ چیز جس کے لیے آپ نے وقت گزارا، ہمیشہ اپنے آپ سے پوچھیں: ''مجھے اس سے کیا حاصل ہوا؟ اور میں نے کیا سیکھا؟'' یہ سوال سوچنا آپ کی زندگی کا قرینہ بدل دے گا، مکمل طور پر۔

دوسرا سب سے اہم کام مسئلہ حل کرنے والی ذہنیت کو تیار کرنا ہے۔ جب کسی چیلنج کا سامنا ہو تو دیکھیں کہ آپ کے اختیار میں کیا ہے، اور اسے کریں۔ جس چیز پر آپ قابو نہیں پا سکتے، اس میں نہ پھنسیں۔ لوگ کبھی کبھی اپنے اردگرد موجود مصیبتوں کو دیکھتے ہیں اور پوچھتے ہیں، خدا تمام بیماروں اور بھوک سے مرنے والے لوگوں کے بارے میں کچھ کیوں نہیں کرتا؟ جواب ہے، خدا نے پہلے ہی انسان کو بہت کچھ عطا کر دیا ہے۔ اس نے آپ کو پیدا کیا ہے۔ آپ کو کم از کم ایک بھوکے کو کھانا کھلانے، ایک بچے کی تعلیم کا خرچہ برداشت کرنے، ایک بیمار کے ہسپتال کا بل ادا کرنے کے ذرائع عطا فرمائے۔ اگر آپ سو آدمیوں کو نہیں کھلا سکتے تو ایک کو ضرور کھلائیں۔ اگر آپ اسکول نہیں بنا سکتے تو ایک بچے کے اسکول کی فیس ادا کریں۔ ہم ہر مسئلے کو عالم گیر بنا دیتے ہیں اور پھر یہ کہہ کر

اپنی بےعملی کا جواز پیش کرتے ہیں: ''آخر میں صرف ایک شخص ہوں، میں کچھ نہیں کر سکتا''۔ اس کے برعکس، سمجھ دار لوگ عالمی مسئلے کو مقامی بناتے ہیں اور پوچھتے ہیں: ''میں کیا کر سکتا ہوں؟'' وہ لوگ جو مدد کرنا چاہتے ہیں، دوسروں پر الزام نہ دھریں بلکہ خود سے پوچھیں، میں کیا کر سکتا ہوں؟ اسلام ہمیں یہی سکھاتا ہے کہ ہم عمل کریں، محض شکایات کا دفتر نہ کھولیں۔ مسائل کو شکایات نہیں، حل کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہر انسان کی زندگی میں ایک ایسا وقت آتا ہے جب ایک کھڑکی کھلتی ہے، اور ان کے پاس اثر انداز ہونے کا منفرد موقع ہوتا ہے۔ کامیابی کے لیے ہمیں تیاری، اور ہمت کے ساتھ کام کرنا چاہیے۔

ہماری ترقی اور خوشی کے لحاظ سے ہمارا انتخاب بڑے مختلف نتائج مرتب کرتا ہے۔ لیکن ہر انتخاب کی ایک قیمت ہوتی ہے۔ بےوقوف لوگ پہلے قیمت معلوم کیے بغیر انتخاب کرتے ہیں اور پھر جب انتخاب کی قیمت کی ادائیگی کا وقت آتا ہے تو حیران اور مایوس ہوتے ہیں۔

زندگانی کے اس میدان میں 'شکار' سے مراد وہ لوگ ہیں جو مشکلات اور مصائب کے بارے میں محض شکایت کرتے رہتے ہیں، بہانے سوچتے ہیں، دوسروں پر الزام لگاتے ہیں، اُمید کھو دیتے ہیں، اور فنا ہو جاتے ہیں۔ ایسا 'شکار' افراد، گروہ، یا قومیں ہو سکتی ہیں۔ 'شکار' ذہنیت کا موقف ایک جیسا ہی ہوتا ہے: شکایت اور الزام۔ جب 'شکار' ذہنیت رکھنے والے لوگ اپنے آپ کو مشکلات میں پاتے ہیں، تو وہ کسی اور کو قصوروار ٹھیرانے کے لیے قربانی کے بکرے ڈھونڈتے ہیں۔ وہ سازشی نظریات ایجاد کرتے ہیں اور ایسی محصور ذہنیت کے ساتھ رہنا پسند کرتے ہیں۔ وہ ہر کسی کو یہ بتانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کے مسائل کی واحد وجہ یہ ہے کہ دنیا میں ہر کوئی انھیں نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ وہ یہ سوچنے سے باز نہیں آتے کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ کس پر الزام لگاتے ہیں۔ لیکن اگر وہ اپنی کوتاہی اور بےعلمی کو خود پر لاگو کرتے تو فوراً جاگ جاتے!

دوسری طرف سمجھ دار وہ لوگ ہیں، جو مشکل اور مصیبت کا سامنا ہونے پر پہلے اپنے آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ اس صورت حال میں کیسے اور کیوں آئے؟ پھر وہ اس صورتِ حال کے لیے حل تلاش کرتے ہیں۔ ان میں نئے طریقے آزمانے کی ہمت ہوتی ہے۔ یہ کامیابی کا راستہ ہے کیونکہ اگر ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہم نے صورتِ حال پیدا کی ہے، تو ہم اس کا حل بھی نکال سکتے ہیں۔